عصر حاضر کے تقاضے اور علمائے امت

مفتی مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۹ جون ۲۰۱۰ء کو جمعیت علمائے اہل السنت والجماعت ضلع گجرات کے زیر اہتمام ''تحفظ مدارس دینیہ وعلماء کنونشن'' سے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس نے ایک فکر انگیز اور مبنی بر حقائق خطاب کیا جسے مولانا محمد عمر عثمانی صاحب نے مرتب کیا۔

الحمدلله وحده والصلوٰة والسلام على من لانبى بعده، ولارسول بعده، ولامعصوم بعده، ولاامة بعد امته، ولاكتاب بعد كتابه، اما بعد.....فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم..... بسم الله الرحمن الرحيم.....انما يخشى الله من عباده العلماء.....وقال تبارك وتعالىٰ: وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله.....وقال النبى ﷺ: العلماء ورثة الانبياء..... صدق الله العظيم و صدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذلك لمن الشهدين والشكرين والحمدلله رب العلمين۔

قابل صد احترام حضرت علماء کرام، بزرگانِ مکرم برادرانِ اسلام!

میں سب سے پہلے جمعیت علمائے اہل سنت والجماعت ضلع گجرات کے ذمہ داران بالخصوص مولانا محمد عمر عثمانی صاحب اور ان کے تمام رفقاء اور سرپرست حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے آج کے مختصر مگر باوقار اجتماع میں مجھے شرکت کی دعوت دی۔ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب دامت برکاتہم اور پنجاب سے وفاق المدارس کے ناظم مولانا قاضی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے موجودہ ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں آج کی اس تقریب کے موضوع کی مناسبت سے بڑی جامع گفتگو فرمائی اور جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا، سب کچھ وہ کہہ چکے۔ کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی کہ جس کا میں اضافہ کروں۔ چونکہ یہ ارباب مدارس اور علماء کا اجتماع ہے، اس لئے یہاں کسی خطاب یا بیان کا موقع نہیں، بلکہ گزارشات کا موقع ہے اور ان گزارشات میں مخاطب صرف آپ ہی نہیں، بلکہ میں اپنے

آپ کو بھی سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ موجودہ دور امت مسلمہ کے لئے اپنی تاریخ کا نازک ترین دور ہے۔ بڑے سنگین حالات، چیلنجز اور مشکلات کا ہمیں سامنا ہے۔ پوری دنیا کا مسلمان اپنی اپنی جگہ پریشان ہے۔ ایک عالمی جبر اور دباؤ ہے جس کا نشانہ اور شکار امت مسلمہ ہے۔ آزمائش، امتحان اور ابتلا کے اس سنگین ترین دور میں امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں، عوام اور مسلمان کی حقیقی قیادت علمائے کرام ہی ہیں۔ مایوس اور ناامید ہونے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حالات بدلیں گے اور بدلتے رہے ہیں، فتح انشاء اللہ حق ہی کی ہوگی۔

طائفہ منصورہ: رحمت عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''لایزال طائفة وفی روایة لایزال امة من امتی قائمة علی الحق ''یعنی میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر ڈٹا رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے، ان کے دشمن ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہ طائفہ منصورہ موجود رہے گا اور یہ طائفہ منصورہ علمائے اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند ہے۔ ان حالات میں میری اور آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں؟ اپنی ذمہ داریوں کا ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے باخبر اور آگاہ بھی ہوں۔ معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بحیثیت مجموعی ہم اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح باخبر بھی نہیں ہیں اور ان کو ادا بھی نہیں کر رہے۔ انفرادی کوششوں کی میں بات نہیں کرتا، اجتماعی طور پر گزارش کر رہا ہوں۔

ایمان کے خاتمے کی جنگ: آج موجودہ دور کی جو جنگ ہے وہ دہشت گردی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ تو ایک بہانہ ہے کہ یہ جنگ امن کے لئے ہے، یہ امن کے لئے نہیں بلکہ اصل میں ایمان کی جنگ ہے، یہ ایک نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی جنگ ہے جو ایک دور میں صلیبی جنگوں کے نام سے تھی۔ آج دشمن پھر وہی تاریخ دہرا رہا ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد قوت کا ارتکاز امریکہ کے پاس آ گیا۔ پہلے امریکہ اور روس آپس میں لڑتے رہتے تھے، دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی۔ دنیا کے بہت سے ممالک امریکی بلاک میں تھے اور بہت سارے روسی بلاک میں تھے۔ اگر کسی ملک پر کوئی یلغار ہوتی اور اس ملک کا تعلق امریکہ کے ساتھ ہوتا تو اس کے دفاع کے لئے روس کے مقابلے میں امریکہ آجاتا اور کسی روسی ملک پر حملہ اور یلغار ہوتی تو روس بھی اس کی حمایت کرتا۔ دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی، لیکن سوویت یونین کے خاتمے کے بعد طاقت کا ارتکاز ایک ملک کے پاس آ گیا اور وہ پوری دنیا کا چوہدری بن گیا۔ اب اگر کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو اس کی حمایت میں کوئی نہیں آتا، بلکہ تمام کے تمام جارح اور ظالم کا ساتھ دیتے ہیں۔

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد یلغار کا نشانہ مسلمان، اسلامی ممالک اور مسلم دنیا بن گئی۔ اب اگر کسی مسلمان ملک پر حملہ ہوتا ہے تو دنیا کے تمام کفریہ ممالک اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مسلمان ملک تنہا ہو جاتا ہے اور بدقسمتی سے

ہمارے حکمران بھی اپنے اقتدار کا تحفظ اسی میں سمجھتے ہیں کہ ہم عالمی قوتوں کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوں۔ پوری مسلم دنیا کا جائزہ لیں تو مسلمان حکمران کسی اور طرف جارہے ہیں اور مسلمان ملکوں کی عوام اور طرف جارہی ہے۔ میں دعوے سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج کسی بھی مسلمان ملک کا حکمران یا کسی بھی مسلمان ملک کی حکومت اپنے عوام کے جذبات کی نمائندگی نہیں کررہی۔ وہ اپنے عوام کے مفاد کی پالیسی کے مطابق نہیں بلکہ بیرونی پالیسی پر چل رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو جمہوری اور عوام کو طاقت کا سرچشمہ کہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے عوام کے مفادات اور ان کی رائے کا احترام نہیں کرتے، بلکہ وہ عالمی جبر کے مطابق اپنی پالیسیاں مرتب کررہے ہیں۔

بطور دلیل تازہ واقعات: یہ جنگ دراصل نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی جنگ ہے، جو مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ہے۔ میں اس کی دلیل کے طور پر آج کے تازہ واقعات کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ مجھے بتایا جائے کہ سوئٹزرلینڈ میں کیا کبھی کوئی دہشت گردی کا واقعہ پیش آیا یا وہاں کوئی دہشت گردی کا نیٹ ورک موجود ہے؟ نہیں ہے۔ لیکن وہاں پر مسلمانوں کے لئے مسجدوں کے مینار کی تعمیر پر پابندی ہے۔ کیا مینار بھی دہشت گرد ہوتے ہیں؟ آج تک آپ نے کہیں سنا، یا دیکھا ہے کہ میناروں سے بھی اپنے آپ میزائل نکل رہے ہیں، لوگ تو دہشت گرد ہوسکتے ہیں۔ کیا یہ دیواریں اور مینار بھی دہشت گرد ہوتے ہیں؟ سوئٹزرلینڈ میں مسلمان اس ملک کے پورے قانون کا احترام کررہے ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی مسجدوں کے میناروں پر پابندی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، بلکہ اصل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ فرانس میں کوئی دہشت گردی کا واقعہ نہیں ہوا، وہاں پر کوئی دہشت گردی کا نیٹ ورک نہیں ہے۔ فرانس میں رہنے والے مسلمان فرانسیسی قوانین کا مکمل احترام کررہے ہیں، وہ اس ملک کی تعمیر وترقی میں مسلسل اپنا حصہ ڈال رہے ہیں لیکن فرانس میں مسلمان عورت کے برقعے اور حجاب پر پابندی لگادی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، بلکہ امت مسلمہ کی روایات واقدار کے خلاف ہے۔ یہودی اگر اپنے مذہبی شعائر کے طور پر ٹوپی پہنتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، سکھ اگر پگڑی پہنتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، عیسائی راہبائیں اگر اپنا مخصوص لباس پہن رہی ہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں، لیکن اگر مسلمان عورت اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اپنی آزادانہ مرضی کے ساتھ حجاب اور پردہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں کی حکومتیں اس پر پابندی لگادیتی ہیں۔ اب مجھے بتائیے کہ یہ پابندی کیا اس لئے لگائی گئی کہ اس سے دہشت گردی کا خطرہ تھا؟ کیا کسی مسلمان عورت نے وہاں برقع پہن کر برقعے کے اندر کوئی بم، کوئی اسلحہ یا Weapon چھپایا؟ یا اس نے برقع پہنا ہوا تھا اور اندر سے اسلحہ، بم اور بارود نکلا، اس لئے پابندی لگادی گئی؟ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تو یہ پابندی دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جنگ اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام وشعائر اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ آج مسلمانوں کو یہ کہا جارہا ہے کہ تم اپنی مذہبی پہچان اور مذہبی تشخص کو بھول جاؤ۔ مجھے افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ آپ کے اس پاکستان کے اندر بہت سے نام نہاد دانشور

اور باہر لی حکومتوں کے ایجنٹ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اگر باہر کی دنیا یعنی مغرب اور یورپ میں رہنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی ٹوپی داڑھی، پگڑی اور پردے سے دست بردار ہو جائیں۔

ہمارے دانشوروں کی ذہنی مرعوبیت: چکوال سے مسلم لیگ (ن) کے رکن اسمبلی ایاز میر نے پچھلے دنوں جنگ میں ایک کالم لکھا تھا کہ فوری طور پر پاکستان کے آئین اور قانون سے حدود آرڈی نینس، امتناع قادیانیت آرڈی نینس اور تحفظ ناموس رسالت آرڈی نینس جو ضیاء الحق جیسے آمر اور ڈکٹیٹر کے جاری کردہ ہیں، فوری طور پر ختم کر دینے چاہئیں۔ اس نوع کے دیگر کئی دانشوروں کو میں نے خود پڑھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی مذہبی پہچان سے دستبردار ہو جانا چاہئے۔ یہ مشورہ یہودیوں کو کوئی نہیں دیتا، نہ یہودی اور نہ غیر یہودی، یہ مشورہ سکھوں کو بھی کوئی سکھ نہیں دیتا کہ تم پاکستان میں اقلیت میں ہو، پگڑی پہننا چھوڑ دو، تم مسلمان ملکوں میں اقلیت میں ہو، وہاں اپنی مذہبی شناخت پر اصرار نہ کرو۔ یہ مشورہ ہندو ہندو کو نہیں دیتا کہ جن ملکوں میں تم اقلیت میں ہو، وہاں اپنا مذہبی تشخص مت قائم کرو، اس ملک میں رہنا ہے تو اس ملک کے شہری بن کر رہو۔ لیکن یہ مشورہ مسلمانوں کو دنیائے کفر تو دیتی ہی تھی، اپنے نام نہاد دانشوروں کی ذہنی مرعوبیت کا یہ حال ہے کہ وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں، اگر تم نے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور یورپ میں رہنا ہے تو تم اپنی ٹوپی، پگڑی، داڑھی، برقع، اپنے لباس، اپنے تشخص، مسجدوں اور ان کے میناروں، ان تمام چیزوں کو بھول جاؤ۔ کل کو یہ لوگ جو پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتے ہیں، یہ یہاں بھی کہیں گے کہ ان شناختوں کو ختم کر دو۔

یہ ہمارے وجود کو مٹانے کی جنگ ہے: ہمیں ابھی تک پوری طرح حالات کا ادراک نہیں ہے اور تدارک تب ہوتا ہے جب پہلے ادراک ہو۔ پہلے مرض اور اس کی سنگینی کا پتہ چلے تو پھر آدمی علاج کے لئے فکر مند ہوتا ہے۔ آپ اگر کسی کو کہیں کہ تجھے تو نزلہ، بخار ہے اور یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، ٹھیک ہو جائے گا، تو وہ کبھی بھی علاج کے لئے فکر مند نہیں ہوگا اور اگر آپ اسے کہیں کہ تجھے بواسیر ہوگئی ہے، تجھے تو کینسر ہو گیا ہے تو وہ اسی وقت فکر مند ہو جائے گا۔ ٹیسٹ کروائے گا، ڈاکٹر ڈھونڈے گا، دوسرے اسپتالوں میں جائے گا۔ کیوں.....؟؟؟ جب اس کو اپنے مرض کی سنگینی کا ادراک ہوتا ہے تو وہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے۔ آج امت مسلمہ کے خلاف دشمنوں کی طرف سے نزلہ بخار کی بات نہیں ہے۔ آج اس کو کینسر زدہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور ہمیں ان حالات کا ادراک نہیں ہے۔ جب ادراک نہیں تو تدارک کیسا.....؟؟؟ یہ نہ سمجھیں کہ یہ باہر کی جنگ ہے، یہ افغانستان کے اندر ہے، یہ کشمیر، فلسطین اور عراق کے اندر ہے، بلکہ یہ میرے اور آپ کے گھر میں آچکی ہے۔

نوجوان نسل کی حالت زار: مجھے ایک دفعہ پنجاب یونیورسٹی کی طالبہ نے ٹیلی فون کیا۔ یہ آج سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے بہت انکار کیا، مگر اس کا اصرار بڑھ گیا۔ میں اس زمانے میں پنجاب قرآن بورڈ کا چیئرمین تھا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ لاہور میں میرے دفتر آگئی۔ اس نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اسلامی

حوالے سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی لڑکی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرے تو آپ لوگوں کو اور اسلام کو اس پر کیا اعتراض ہے اور کیوں اعتراض ہے؟ میں اس پر تھیسز (Thesis) لکھ رہی ہوں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہوں۔ وہ اس بات پر دلائل ڈھونڈ رہی ہے کہ مسلمان ملکوں میں جیسے لڑکے کو لڑکی کے ساتھ شادی کی اجازت ہے، لڑکی کو لڑکی کے ساتھ بھی شادی کی اجازت ہونی چاہئے، ہم جنس تعلقات قائم ہونے چاہئیں۔ یہ ذہن ہماری نوجوان نسل میں پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ سابقہ دور حکومت پرویز مشرف کے دور میں جو باہر کی دنیا کے کہنے پر تحفظ حقوق نسواں کے نام پر قانون پاس کروایا گیا ہے، اس کی بنیاد پر پاکستان زنا اور بدکاری کے اعتبار سے اسی جگہ کھڑا ہے، جہاں مغرب اور یورپ کھڑا ہے، جیسے ان ملکوں میں لڑکا لڑکی اپنی مرضی سے بدکاری کریں تو کوئی جرم نہیں ہے، آج پاکستان میں بھی قانونی اعتبار سے لڑکا لڑکی اپنی مرضی سے زنا کریں تو کوئی جرم نہیں ہے۔ میں آپ موجود ہیں اور پاکستان میں یہ قانون منظور ہوا ہے۔ اگر ہوٹل کے کمرے میں ایک لڑکا لڑکی کو لے کر جائے اور ان کے درمیان شادی اور نکاح کا رشتہ نہ ہو تو پولیس کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ انہیں گرفتار کر سکے۔ میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے اور کارٹون (نعوذ باللہ) جو یہ لوگ چھاپ رہے ہیں، کیا ان کے ساتھ کبھی کوئی دہشت گردی ہوئی؟ کیا ان ملکوں میں دہشت گردی کے کوئی واقعات پیش آئے؟ کیا ہم نے ان کو کوئی تکلیف پہنچائی؟ جس کی جوابی کارروائی اور ردعمل کے طور پر وہ کر رہے ہیں۔ نہیں! بلکہ از خود وہ یہ کر رہے ہیں۔ وہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ہماری اصل جنگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔

دین کا دفاع کن لوگوں نے کرنا ہے؟: ان حالات میں میری اور آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، میرے اور آپ کے کندھوں پر بہت زیادہ بوجھ آتا ہے۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسے حالات کا مقابلہ علمائے کرام ہی نے کیا ہے۔ سیاستدانوں، حکمرانوں اور اپنے قلم کو بیچنے والے قلم فروش طبقے نے نہیں کیا۔ پرویز مشرف ہو تو اس کی حمایت میں لکھ رہے ہیں، بینظیر ہو تو اس کے گن گا رہے ہیں، نواز شریف ہو تو اس کے قصیدے لکھ رہے ہیں، زرداری ہو تو اس کے ترانے گا رہے ہیں، جن کا قلم رات کو کسی اور، صبح کو کسی اور کے حق میں ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ میں نے اور آپ نے کرنا ہے۔ لہٰذا ایک تو ہمیں حالات کی سنگینی، مشکلات اور چیلنجز کا اندازہ ہونا چاہئے اور اس کے مطابق ہمیں اپنی حکمت عملی طے کرنی چاہئے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد کہ یہ جنگ ہمارے گھروں میں آچکی ہے، آپ کا اور میرا رابطہ نئی نوجوان نسل سے بہت کم ہے۔ اگر ہم ذرا ان سے ملیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ ہماری نوجوان نسل مکے اور مدینے کے قریب ہے یا لندن اور واشنگٹن کے قریب ہو گئی ہے، وہ کہاں چلی گئی؟ اس کی سوچ کہاں کھو گئی ہے؟ آج کا نوجوان اور آج کی نسل کہاں کھڑی ہے؟ ہم اپنے مخصوص حلقوں میں رہ کر خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہیں کہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں۔ یقیناً ہم بڑا کام کر رہے ہیں، لیکن ضرورت اس سے بھی بڑے کام کی ہے۔ یہاں پر چونکہ ہم ایک ہی دینی برادری کے لوگ بیٹھے ہیں، ایسے

اجتماعات میں ہمیں خود احتسابی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ میں چند گزارشات درخواست کے عنوان پر آپ حضرات کے سامنے پیش کررہا ہوں اور یہ میرے اپنے لئے بھی ہیں۔

رجوع الی اللہ کی ضرورت: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا اللہ کی طرف رجوع کم ہوگیا ہے۔ رجوع الی اللہ نہیں رہا، توبہ و استغفار میں کمی آگئی ہے۔ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ دشمن اگر طاقتور ہو تو اس سے دوستی لگاؤ جو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو۔ ہمارا جتنا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے، توبہ و استغفار اور اوراد و اذکار کا جتنا اہتمام ہماری زندگیوں میں ہونا چاہئے اب نہیں رہا۔ ہمارے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگر دن کو میدان میں نظر آتے ہیں تو رات کو مصلے پر بھی نظر آتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے جو مصلے پر رات کو تہجد پڑھتے ہوں، ہماری تو فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، ہم تو فرض نمازیں پابندی سے نہیں پڑھتے، ہم میں سے کتنے شب بیدار ہیں۔ کوئی مدرسے کا استاد ہو یا مہتمم، مسجد کا امام ہو یا خطیب یا کوئی عالم ہو جو بھی ہو اس پر کہیں شاگردوں کی ذمہ داری ہے، کسی پر نمازیوں کی ذمہ داری ہے تو کسی پر محلے کی ذمہ داری اور کسی پر پورے علاقے کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داریاں وہ تب ادا کرسکتا ہے جب اس کا اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوگا اور وہ اللہ سے مانگے گا۔ میں نے اپنے استاد قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے، ان کے پاس جو بچے پڑھتے تھے، اگر وہ کمزور ذہن کے ہوتے تھے تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات کو اٹھ کر بارگاہِ خداوندی میں جھولی پھیلا کر مانگتے تھے کہ اللہ! میرا فلاں شاگرد کمزور ہے تو اس کا ذہن کھول دے کہ اس کو قرآن یاد ہو جائے۔ آج کتنے استاد ہیں جو اپنے شاگردوں کے لئے نام لے کر دعائیں مانگتے ہیں؟ آج کتنے خطیب اور امام ہیں جو اپنے علاقے کے بدمعاش لوگوں کی ہدایت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارا اپنا تعلق اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ آج ہمارے ہاں سچائی اور دیانت کا معیار اتنا گر گیا ہے کہ ہم کسی کو کبھی نیچا دکھانے یا کبھی چندہ لینے کی غرض سے جھوٹ بولتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، ہمارے اوپر جو آزمائشیں آرہی ہیں ان میں ہمارا اپنا بھی حصہ اور دخل ہے۔

اللہ والوں سے تعلق: ہمیں چاہئے کہ ہم کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں۔ ہم میں سے کتنے ہیں کہ جنہوں نے اپنا ہاتھ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں دیا ہو، جن اکابر کا ہم نام لیتے ہیں اور ان کی نسبت پر فخر کرتے ہیں۔ کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں کوئی کمی تھی؟ وہ حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم والخیرات تھے۔ یہ الفاظ شاید ان کی علمی شان کی پوری ترجمانی نہ کرسکیں۔ یہ القاب کسی نے کوئی محبت میں نہیں دے دیئے تھے، وہ حقیقت میں حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم و الخیرات اور جبال علم تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جارہے ہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں کوئی کمی تھی؟ وہ علم کا پہاڑ تھے، لیکن وہ بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جارہے ہیں۔ حکیم الامت مجدد ملت والدین حضرت مولانا محمد اشرف علی

تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ..... آپ کسی ایک عالم کو اٹھا کر دیکھ لیں کہ جس کا کسی اللہ والے سے تعلق نہ ہو اور آج ہم میں سے کسی نے اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ ہم کسی نہ کسی بزرگ اور اللہ والے کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں۔ ہم کسی نہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں، پھر دیکھیں کہ ہمارے علم اور کمال کے اندر کیا نور آتا ہے۔ ہم خود محتاج اصلاح ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دوسروں کو ٹھیک کرنا ہے۔ مگر دوسروں کو ٹھیک کرنے سے پہلے جب ہم خود ٹھیک ہوں گے تو ہم دوسروں کو ٹھیک کر سکیں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے، جن کو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا، جو دعائے مصطفیٰ، مرادِ مصطفیٰ اور دعائے پیغمبر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جس دن میں نے کلمہ پڑھا، اس دن سے لے کر آج تک میں نے بائیں طرف والے فرشتے کو قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ ہم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ جس دن میں نے کلمہ پڑھا، وہ دن گیا اور آج کا دن آ گیا، میں نے بائیں جانب والے فرشتے کو قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔

ہمارا عوام سے رابطہ کمزور ہے: ہمارا عوام، معاشرے اور سوسائٹی کے لوگوں سے رابطہ بہت کمزور ہو گیا ہے، ہمارا رابطہ صرف ان طلباء سے ہے جو ہمارے پاس مدرسے پڑھنے آتے ہیں یا صرف ان نمازیوں سے ہے، جو جمعہ میں یا پانچ وقت نماز پڑھنے مسجد میں آ جائیں، ان سے بھی برائے نام ہے یا صرف ان سے رابطہ ہے، جن سے ہم چندہ مانگنے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے ہمارا رابطہ ہے؟ یہ تو اللہ کروڑوں رحمتیں فرمائے، حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر کہ جنہوں نے تبلیغ کا ایک عوامی سلسلہ شروع کیا، جس کے باعث عوام سے ہمارا رابطہ اور تعلق ہے۔ ورنہ مدارس اور مساجد کے لوگوں کی عوام سے رابطے کی کوئی صورت ہے؟ ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری پشت پر اسباب کے درجے میں عوام کھڑی ہو۔ انتظامیہ یا حکومت کسی مدرسے پر ناجائز یلغار کرے تو آپ کے بازار کے تاجر، صنعت کار، آپ کے نمازی، آپ کے عوام، آپ کے محلے کے لوگ باہر نکل آئیں کہ یہ مدرسہ دہشت گردی کا مرکز نہیں ہے، یہ مولوی دہشت گرد نہیں ہے، تم غلط کہہ رہے ہو، ہم اپنی اس مسجد اور مدرسے پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اس لئے عوام سے ہمارا رابطہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی کیا صورتیں ہیں؟ آپ خود سوچئے گا..... البتہ میرے ذہن میں جو صورتیں ہیں وہ میں عرض کر دیتا ہوں:

درس قرآن وحدیث اور اس کا طریقہ کار: پہلے نمبر پر تو ہم اپنے ہاں درس قرآن شروع کریں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے قرآن کا درس بہت ضروری اور بڑا مفید ہے، اس سے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ جب مالٹا سے واپس آئے تو دو باتیں خصوصی طور پر فرمایا کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ مسلمانو! اپنی صفوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرو اور دوسرا یہ کہ قرآن کے درس کو عام کرو۔ یہ پرواہ نہ کرو کہ دو چار پانچ آدمی ہیں۔ فجر کے بعد یا

جس نماز کے بعد آپ سمجھتے ہیں کہ لوگ زیادہ ہوں، اپنی اپنی مسجدوں میں درسِ قرآن دیں، اس سے انشاء اللہ العزیز عوام کا ایک حلقہ قائم ہوگا۔ لوگوں کی نظریاتی تربیت کریں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ایک انداز یہ ہے کہ آپ کہیں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فرمایا..... امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہا..... حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہا..... اور ایک انداز یہ ہے کہ آپ کہیں کہ قرآن نے یہ کہا..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا..... بات آپ کے بزرگوں کی ہوگی مگر ان کی باتوں کا ماخذ بھی تو قرآن اور حدیث ہی تو ہے! اصل ماخذ کو بیان کریں کہ قرآن نے یہ کہا..... حدیث نے یہ کہا..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا..... یہ بات لوگوں کو زیادہ اپیل کرے گی۔ بعد میں یہ کہہ دیں کہ جو بات قرآن اور حدیث کہہ رہے ہیں، یہی بات ہمارے فلاں بزرگ نے کہی ہے۔ قرآن اور حدیث کا درس فی الفور شروع کریں۔ حدیث میں سے کسی ایک کتاب کا انتخاب کرلیں۔ مشکوٰۃ کا کرلیں..... کتاب الآداب شروع کرلیں..... ریاض الصالحین کا انتخاب کرلیں..... بہرحال درسِ حدیث بھی ہونا چاہئے۔

سماجی تعلقات میں پیش رفت: دوسرے نمبر پر آپ کے محلے اور علاقے میں کوئی غمی ہو یا جنازہ ہو یا وفات ہو تو جنازہ میں ضرور شریک ہوں۔ صرف وہ جنازہ نہ پڑھیں جو آپ کی مسجد اور مدرسے میں آتا ہے یا آپ کی قریب کی آبادی اور محلے میں کوئی فوت ہوا ہے، آپ اس کے ہاں افسوس کے لئے جائیں۔ اپنے استادوں کو بھیجیں، وہاں جا کر تعزیت کریں، اپنے مدرسے میں ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ ان کو بھی بلالیں کہ ہمارے ہاں ایصال ثواب ہوگا، قرآن پڑھا جائے گا، دعا کروائی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے تعارف جو سیرت طیبہ کے حوالے سے مجھے اور آپ کو ملتا ہے، جو سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبانی ہے اور بخاری شریف کے پہلے یا دوسرے صفحے پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تعارف سماجی تعلقات کے حوالے سے ہے کہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، نہ کما سکنے والے کو کما کر دیتے ہیں، جو بوجھ اٹھا نہ سکے اس کو بوجھ اٹھا کر دیتے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پہلا تعارف ہے جو ہمیں حدیث کی کتابوں سے ملتا ہے، لہٰذا عوام سے ہمارا تعلق بڑھنا چاہئے۔

مدارس کے اجتماعات..... رابطہ کا موثر ذریعہ: اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں مدارس کے جو اجتماعات ہوتے ہیں۔ ختم بخاری، ختم مشکوٰۃ، بچوں کے حفظ قرآن یا ان کی دستار بندی کی تقریب، مدرسے کا سالانہ جلسہ یا سیرت کا جلسہ..... ہم ان اجتماعات میں سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لوگوں کو دعوت دیں، ہم خود ان کو دعوت دینے جائیں۔ تاجروں، صنعت کاروں، سیاسی اور عوامی نمائندوں کو ہم خود لے کر آئیں۔ اس سے ہمارا رابطہ بڑھے گا۔ وہ مساجد اور مدارس کو دیکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز ہمارے ترجمان اور وکیل بنیں گے، کیونکہ ہمارے پاس دلیل کی طاقت بھی ہے اور حقیقت بھی ہے۔ یہ چند صورتیں عوام سے رابطہ بڑھانے کی میں نے عرض کردیں۔ ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی ہم

سے زیادہ سوچنے کا ذہن دیا ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ہم عوام سے کیسے رابطہ زیادہ سے زیادہ بڑھا سکتے ہیں؟

اسکولز کا قیام اور ان کے فوائد: اس کے علاوہ ایک گزارش یہ بھی ہے کہ اگر آپ کے پاس وسائل ہوں اور اگر نہ ہوں تو آپ کوشش کریں کہ عوامی تعلیم کے ادارے قائم کئے جائیں، اسکولز بنائے جائیں، کم از کم ہر مہتمم، ہر مدرسے والا اور بڑی مسجدوں والے اپنے قریب ترین علاقے میں ایک نہ ایک اسکول ضرور بنائیں۔ اسلامک اسکول بنائیں۔ یہ جو مغربی ثقافت اور تعلیم کی یلغار ہے، اس کا مقابلہ ہمیں مثبت اور تعمیری انداز میں کرنا ہے۔ ہم نے اس نئی نسل کو بچانا ہے۔ علماء کی نگرانی میں جو عصری تعلیم کے ادارے قائم ہوں گے، اگرچہ وہاں پڑھنے والوں کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوگی، لیکن ان کے اندر داڑھی ضرور ہوگی۔ وہ اندر کا مولوی ضرور ہوگا اور انشاء اللہ یہ اندر کا مولوی ایک نہ ایک دن باہر بھی آجائے گا۔

ہمارے دادا جی حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں سب سے پہلے آج سے پچاس سال قبل بچیوں کی دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا، باقی یہ بنات کے مدرسے دس پندرہ سال کے عرصے میں بنے ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے ہمارے دادا جی نے جامعہ خیر المدارس کے ساتھ جب شعبہ تعلیم النساء بنایا تو اس میں حفظ اور درس نظامی کا شعبہ تو تھا ہی، لیکن دادا جی رحمۃ اللہ علیہ نے ساتھ پرائمری اسکول بھی بنایا۔ بعض لوگوں نے پوچھا کہ بچیوں کے لئے پرائمری اسکول بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ دادا جی نے فرمایا کہ یہ بچیاں ہمارے پاس اسکول میں پرائمری کرنے آئیں گی، اردو، حساب اور انگریزی پڑھنے کے لئے آئیں گی، ہم ان کو قرآن وسنت بھی پڑھائیں گے۔ ہم ان کو صحیح اسلامی عقائد دیں گے۔

ہم نے ملتان میں ایک انگلش میڈیم اسکول بنایا، وہاں پر آپ یقین مانیں کہ تاجروں، صنعت کاروں، پولیس اور فوج کے افسران نے اپنے بچے بھیجے اور الحمدللہ جب وہ بچے واپس اپنے گھر جاتے تو اپنی ماں سے کہتے کہ امی آپ نماز کیوں نہیں پڑھتیں؟ ابا جان آپ گانے کیوں سنتے ہیں؟ قرآن سنا کریں۔ یہ نعت کی کیسٹ مجھے اسکول سے ملی ہے، اسے سنا کریں۔ ایک بچہ جسے ہمارے اسکول میں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا، ایک دن صبح کے وقت اس کے باپ نے آکر بتایا کہ میری بیوی اس کو جوتی پہنا رہی تھی، یعنی وہ ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ خود جوتی بھی نہیں پہن سکتا تھا، ماں شوز پہنا رہی تھی تو وہ بچہ اپنی ماں سے کہتا ہے کہ امی تم مجھے بائیں پاؤں میں پہلے پہناتی ہو، دائیں میں بعد میں پہناتی ہو، کل میری ٹیچر نے کہا تھا کہ دائیں پاؤں میں جوتی پہلے پہننی چاہئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس لئے امی! تو مجھے دائیں پاؤں میں پہلے جوتی پہنایا کر، بائیں میں بعد میں پہنایا کر، جب بچے کے ذہن میں پانچ سال میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ڈال دی تو انشاء اللہ ساٹھ ستر سال تک بھی اس کے ذہن میں اسے کوئی نہیں نکال سکتا۔

ایک بینک آفیسر تھے، انہوں نے وہاں اسکول میں اپنی بچی کو داخل کروایا۔ ابھی دو ہی ہفتے گزرے ہوں گے، وہ

ہمارے پاس شکریہ ادا کرنے کے لئے آئے، کہاں کہ میں لاہور سے ملتان آرہا تھا۔ میری بیوی میرے ساتھ گاڑی میں آگے بیٹھی تھی اور میری یہ بچی پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بیٹی سے کہا، بیٹی! مجھے ذرا ٹشو پیپر تو دینا۔ ٹشو پیپر کا ڈبہ پچھلی سیٹ پر تھا۔ جب میری بیٹی نے مجھے ٹشو پیپر دیا تو میں نے کہا، تھنک یو بیٹی! تو فوراً میری بیٹی نے کہا کہ ابا جان آپ نے مجھے تھنک یو کہہ کر کوئی دعا نہیں دی، اگر آپ مجھے جزاک اللہ کہتے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے تو یہ میرے حق میں دعا تھی۔ اب جس بچی کے ذہن میں چار پانچ سال کی عمر میں جزاکِ اللہ ڈال دیا گیا وہ ساٹھ ستر سال کی عمر میں بھی اللہ کو یاد رکھے گی۔

گجرات، جہلم اور چکوال میں میری یہ خواہش ہے کہ یہاں پر جو مدارس موجود ہیں، وہ مزید ترقی کریں۔ دینی تعلیم کے میدان میں اپنا نام پیدا کریں۔ یہ علاقہ دینی تعلیم کے حوالے سے پسماندہ نہیں رہنا چاہئے، تعلیمی معیار کو بلند کیا جائے۔ اگر آپ ضرورت سمجھتے ہیں تو ضرور مدرسہ بنائیں، یہ معاشرے کی ضرورت ہیں لیکن اب مدرسے ماشاء اللہ کافی ہو چکے ہیں، اب اسکول بنائے جائیں اور ہم اس پر سوچ رہے ہیں کہ وفاق کی طرف سے پورے ملک میں ایک اسکول سسٹم قائم کیا جائے۔ ان اسکولوں میں وہ بچے آئیں گے جو عام طور پر مدرسوں میں نہیں آیا کرتے۔ ہم ان کے اندر دین کو پہنچائیں گے، ان کی اسلامی تربیت کریں گے، ان کو اسلامی عقائد و نظریات دیں گے۔ آپ سائنس پڑھائیں گے اور ایک عام آدمی پڑھائے گا، دونوں کے پڑھانے میں فرق ہوگا، وہ کہے گا کہ بارش اس لئے آتی ہے کہ دریاؤں، سمندروں اور نہروں سے بخارات ہوا کے ذریعے اوپر اڑتے ہیں۔ اوپر جا کر یہ جم جاتے ہیں، پھر پگھلتے ہیں تو بارش ہوتی ہے اور جب آپ پڑھائیں گے تو آپ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو آپ کی سائنس اور اس کی سائنس میں فرق ہوگا۔ آپ بچے کا ذہن مادیت کی بجائے اللہ کی طرف لے کر جائیں گے، لہٰذا میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ اسکول قائم کریں۔

میڈیائی یلغار کا مقابلہ: اس کے علاوہ میری ایک درخواست یہ ہے کہ آپ میڈیا سے رابطہ رکھیں، اپنے اندر لکھنے والے پیدا کریں، یہ آج کی بڑی ضرورت ہے، اس لئے کہ دن رات ہمارے خلاف پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں زہر اگلا جا رہا ہے، ہمیں اس کا جواب دینے کے لئے ایسے علماء کی ضرورت ہے جو آج کی زبان میں بات کر سکتے ہوں، جو آج کی اصطلاحات سے واقف ہوں، وہ حکمت عملی سے گفتگو کر سکتے ہوں اور اپنی بات دوسروں کے دلوں میں اچھے انداز میں اتار سکتے ہوں، ہمیں افراد چاہئیں..... اچھا لکھنے والے! اچھا بولنے والے..... مسجدوں اور جلسوں میں نہیں، بلکہ ٹیلی ویژن اور میڈیا پر، انگریزی پریس ہمارے خلاف، اسلام اور قرآن کے خلاف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور مدارس کے خلاف جو زہر اگل رہا ہے اور عام لوگوں کا ذہن خراب کر رہا ہے اس کا جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے ہمیں مدارس میں ایسے شعبے قائم کرنے چاہئیں جو ہر میدان کے لئے رجال کار فراہم کریں۔

وسعت مطالعہ اور وسعت فکر ونظر کی کمی: اس کے ساتھ ساتھ ایک درخواست یہ بھی ہے کہ ہم مولویوں میں وسعت مطالعہ بھی ہونی چاہئے، وسعت علم، وسعت فکر ونظر اور وسعت قلب، یہ چیزیں خصوصیت سے علماء میں ہونی چاہئیں، فکرو نظر بڑی وسیع ہونی چاہئے۔ آج ہمارے جمعوں میں لوگ کیوں نہیں آتے؟ اس لئے کہ ہم روایتی موضوع پر بات کرتے ہیں۔ آج معاشرے اور سوسائٹی کے زندہ مسائل میری تقریر کا موضوع نہیں بنتے۔ میں پرانے قصے لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ میں آج کے حالات اور قوم کی نبض پر ہاتھ نہیں رکھتا اور میں آج کے اسلوب میں بات نہیں کرتا۔ کیوں..... کیوں نہیں کرتا.....؟؟؟ اس لئے کہ میرا اپنا مطالعہ نہیں ہے۔ میں مطالعہ نہیں کرتا اور سوچتا ہوں کہ بس وقت گزار لوں گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب علم ہو، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں جب تقریر کرتے تو ایسے ایسے لوگ بیان سننے کے لئے جمع ہوتے جو کبھی مدرسے کے جلسوں میں نہیں دیکھے گئے تھے اور وہ قاری طیب صاحب کی ڈھائی تین گھنٹے کی تقریر دھوپ میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ میں نے کئی خطیبوں کو دیکھا کہ انہوں نے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر کھڑے ہو کر سنی۔ کیوں.....؟ اس لئے کہ وہاں علم ہوتا تھا۔ لوگوں کو پتا تھا کہ ہم جائیں گے تو ہمیں علم ملے گا۔ آج میں اور آپ قاری طیب تو نہیں بن سکتے، لیکن کوشش تو کر سکتے ہیں کہ مطالعہ کریں۔ اگر ہم اپنے اکابر کے علوم ہی کا مطالعہ کرنا شروع کر دیں تو ہمیں بڑے موتی مل جائیں گے، مگر ہم مطالعہ نہیں کرتے۔ روایتی موضوع پر رہتے ہیں، زندہ مسائل پر گفتگو نہیں کرتے اور نہ اس کی تیاری کرتے ہیں۔ ہمیں تمام حالات اور چیزوں پر تیاری کرنی چاہئے اور اپنے مطالعے کو وسعت دینی چاہئے۔ آپ ناراض نہ ہونا کہ میں خیر المدارس کا بھی تیس سال سے مہتمم ہوں، میں اکثر اپنے استادوں سے کہتا رہتا ہوں کہ یہ کتب خانہ اور یہ لائبریری آپ کا انتظار کرتی رہتی ہے کہ کب کوئی آئے اور کتب کا مطالعہ کرے۔ آج تک مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی استاد نے یہ کہا ہو کہ مولانا آپ کی لائبریری اور کتب خانے میں فلاں کتب نہیں ہے اور ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ یہ چٹ تب آئے گی جب مطالعہ کریں گے۔ آپ خوبصورت لائبریری بنالیں اور اس میں کتابیں لا کر رکھ دیں..... کیا فائدہ، اگر ان کو کوئی پڑھتا نہیں ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جو کتب خانوں اور لائبریریوں میں آ کر مطالعہ کرتے ہیں، کتابوں کو جمع کرنے سے زیادہ ان کے مطالعے کا شوق پیدا کریں۔ ہزار کتاب جمع کر لو، پڑھو ایک نہیں، بہتر ہے کہ نو سو ننانوے جمع نہ کرو، ایک ہی لے آؤ، مگر اس کو پڑھو، لہٰذا ہمیں اپنے اندر ذوقِ مطالعہ اور ذوقِ علم پیدا کرنا چاہئے۔

اکابر واسلاف پر اعتماد..... کامیابی کی دلیل: اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی گزارش کر رہا ہوں کہ اپنے اسلاف اور اکابر پر اعتماد کریں۔ ہمیں تو سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے کہ: ﴿اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم﴾ اس کی تشریح میں میرے دادا فرماتے تھے کہ اللہ نے سورۃ فاتحہ میں ہی تقلید کا حکم دے دیا ہے۔ ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ خود ہی اجتہاد کر لو، خود ہی قرآن وحدیث کو اٹھا کر پڑھ لو۔ بلکہ فرمایا کہ

﴿صراط الذین انعمت علیھم﴾ یعنی ان لوگوں کا راستہ دکھا، جن پر تو نے انعام کیا۔ یہی تو تقلید ہے اور آج میں چند لفظ سیکھ جاتا ہوں تو اپنا نیا مذہب پیدا کر لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جو میں سمجھا ہوں، وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ ہم تو ان اکابر کے پاؤں کی مٹی کے برابر بھی نہیں ہیں، ہمیں اپنے اکابر اور اسلاف پر اعتماد کرنا ہوگا۔ جو اکابرین چلے گئے، ان کی تحریرات میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔ رب کعبہ اور رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جس شخص نے بھی اپنے اکابر سے ہٹ کر کوئی نیا راستہ اختیار کیا، اس کو اللہ نے دنیا میں ہی دکھا دیا کہ اس کا نقصان ہی ہوا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس طالب علم نے اپنے استاذ یا مدرسے والوں کی اور جس شخص نے اپنے اکابر کی بات نہیں مانی، اللہ نے دنیا میں اسے دکھا دیا کہ اس کی الگ رائے قائم کرنے سے اسے نقصان ہوا۔ ہمارے تو بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اپنے اکابر اور اسلاف پر اندھا اعتماد ہے۔ اکابر کا احترام اور ان پر اعتماد ہی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

موجودہ حالات اور ہماری حکمت عملی: یہ وقت جذبات اور جوش کا نہیں، بلکہ ہوش کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ نائن الیون کے بعد اب دس سال کا عرصہ ہونے کو ہے جو جبر ہم پر دینی مدارس کے نظام تعلیم، نصاب تعلیم، نظام امتحان اور نظام مالیات کو تبدیل کرنے کا اب تک چلا آرہا ہے اور ہمیں مجبور کیا جارہا ہے کہ ہمیں مداخلت کا حق دو۔ ہم تمہارا یہ نصاب بدلنا چاہتے ہیں اور ہم نے ان تمام حالات کا ان دس سالوں میں اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کے تعاون سے جو مقابلہ کیا ہے اور کامیابی حاصل کی ہے اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں:

ایک تو یہ کہ ہم نے ٹکراؤ اور تصادم سے گریز کیا ہے۔ کتنے مشکل وقت آئے۔ کیا کبھی وفاق المدارس کی طرف سے کوئی اپیل آپ کے سامنے آئی کہ آپ تمام طلباء کو لے کر سڑکوں پر آجائیں یا ہم نے آپ سے کہا ہو کہ جلوس نکالو؟ ہماری حکمت عملی یہ تھی کہ یہ وقت دشمن سے ٹکرانے اور تصادم کا نہیں ہے، ہمیں اپنی قوت اور طاقت کا احساس ہے۔ ایک طاقت دفاع کے لئے اور ایک طاقت اقدام کے لئے ہوتی ہے، دونوں میں فرق ہے۔ ابھی تک ہم اپنی دفاعی طاقت پوری طرح منظم اور مستحکم نہیں کر سکے۔ چہ جائیکہ ہم اقدام کی طرف آگے بڑھیں۔ جب ہمارے پاس اقدام کی طاقت انشاء اللہ آئے گی تو ہم آگے بھی بڑھیں گے۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ وہ تیرہ سال مکۃ المکرمہ میں اسی بیت اللہ اور خانہ کعبہ میں اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں، جہاں سینکڑوں بت پڑے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں ایک بت کو بھی نہیں توڑا، کیونکہ ابھی بت شکنی کا وقت ہی نہیں آیا، ابھی تو اپنی طاقت بنانی تھی۔ مدینہ طیبہ گئے، ریاست بنی، ہجرت کا حکم ہوا، پوری دنیا سے مسلمان آئے، ایک جگہ اکٹھے ہو کر طاقت بنی، پھر حملہ کیا اور پھر جا کر ان بتوں کو توڑا۔ ورنہ تیرہ سال مکۃ المکرمہ میں اور سات آٹھ سال مدینہ طیبہ میں اسی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، جس کے اندر بت رکھے ہوئے تھے۔ دفاعی اور اقدامی طاقت دونوں کے اپنے اپنے

تقاضے ہوا کرتے ہیں۔ان مساجد اور مدارس کا دفاع جو ہم الحمدللہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل سے تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ ہم اس میں کامیاب ہیں، عالمی قوتیں، پاکستان کی حکومتیں خواہ وہ آمر یا ڈکٹیٹر ہوں یا جمہوری دور حکومت ہو، مدرسوں کے نصاب سے کسی ایک کتاب کی کسی ایک سطر کو بھی نہیں نکال سکے۔مدارس کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم، مالیاتی اور امتحانی نظام محفوظ ہے اور الحمدللہ یہ برکت اور نتیجہ ہے، اسباب کے درجے میں اس حکمت عملی کو جو ہم نے اپنائی کہ ہم نے اپنی طاقت کو بچانا ہے، ضائع نہیں کرنا، تصادم، محاذ آرائی اور ٹکراؤ سے گریز کرنا ہے۔

دوسری ہماری پالیسی یہ تھی کہ ہم نے اپنی صفوں میں اتحاد اور اتفاق کو برقرار رکھنا ہے۔وفاق المدارس کے اندر بہت سی جماعتیں ہیں، مختلف خیالات کے لوگ ہیں، ہم ان کو کس طرح اکٹھا رکھتے ہیں، اس کی تفصیلات میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم کس طرح اپنے آپ کو مار کر ان کو اکٹھا کرتے ہیں کہ آؤ، اس درخت کے سائے میں ہم اکٹھے بیٹھ جایا کریں اور الحمدللہ بیٹھتے ہیں۔ایک تو اپنی صفوں میں اتحاد اور پھر دوسرے مکاتب فکر کے ساتھ بھی اتحاد۔ان مکاتب فکر کے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ تم ان کا کیوں ساتھ دے رہے ہو اور کیوں ان کے ساتھ کھڑے ہو؟ تم نشانہ نہیں ہو نشانہ یہ ہیں، تم ان کو چھوڑ دو۔لیکن ہم نے ان کو اپنے ساتھ جوڑ کر رکھا ہے اور ان کو یہ بتایا ہے کہ یہ باری ہے، اگر آج ہماری باری لگی ہے تو تم بھی مطمئن نہ ہو جاؤ، کل تمہاری باری بھی آئے گی۔افغانستان کے بعد عراق کا نمبر لگا اور اب عراق کے بعد کسی اور کا نمبر لگایا جائے گا، ہمیں مل کر اس کا مقابلہ کرنا ہے، لہٰذا تصادم سے گریز، جوش کی بجائے ہوش، جذبات پر کنٹرول اور اس کے بعد اتحاد و اتفاق..... یہ ہماری دوسری مرکزی پالیسی ہے بدگمانی سے بچیں۔

آپ کا تعلق جس بھی جماعت سے ہو لیکن دوسروں کا احترام کریں۔آج ہم بڑی جلدی بدگمان ہو جاتے ہیں کہ یہ بک گیا ہے اور یہ فروخت ہو گیا ہے۔میں آپ کو ایک جملہ سناتا ہوں اور اس جملے کو مجھے اور آپ سب کو پلے باندھ لینا چاہئے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدگمانی کے لئے صرف دلیل نہیں بلکہ مضبوط اور قوی دلیل کی ضرورت ہے جب کہ حسن ظن اور اچھے گمان کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھا کرو، آپ کے پاس کوئی دلیل ہو یا نہ ہو بس یہی دلیل کافی ہے کہ وہ مسلمان، مومن اور آپ کا اسلامی بھائی ہے۔'' اچھے گمان کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بدگمانی کے لئے صرف دلیل نہیں بلکہ مضبوط دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مقدمے پر سورۃ النور کی آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی اور کچھ مخلص صحابہ نے بھی اسے سن کر ان کی ہاں میں ہاں ملا دی تو اللہ نے یہ آیت اتاری کہ:

﴿ولولا اذ سمعتموه قلتم مايكون لنا ان نتكلم بهذا سبحانك هذا بهتان عظيم﴾ ''میرے پیغمبر کے صحابہ! تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ یہ بہتان ہے۔کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی، تمہیں تو اچھے گمان میں رہنا

چاہئے تھا۔"

تو یہ آیت بتاتی ہے کہ حسن ظن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج ہمارا حال کیا ہے؟ آج ہم حسن ظن کے لئے دلیل مانگتے ہیں، جب کہ بدگمانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

وراثتِ انبیاء کا تقاضا: لہٰذا میرے بھائیو اور دوستو! میری آخری گزارشات یہی ہیں کہ ہم تصادم سے گریز کریں، اتحاد و اتفاق پیدا کریں، اپنی حکمت عملی کو منظم کریں، حالات کی نزاکت کو سمجھیں، امت کی رہنمائی ہم ہی نے کرنی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ علماء میرے وارث ہیں، بلکہ فرمایا کہ علماء تمام نبیوں کے وارث ہیں۔ حالانکہ براہ راست تو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی وارث ہیں۔ مگر جملہ یہ نہیں فرمایا کہ "العلماء ورثتی" بلکہ فرمایا کہ: "العلماء ورثۃ الانبیاء" کہ تم ایک پیغمبر کے وارث نہیں، بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور پیغمبروں کے وارث ہو۔ اس سے اس طرف بھی ہمیں اشارہ ملتا ہے کہ ان انبیاء کو جن حالات کا سامنا ہوا تمہیں بھی ان تمام حالات کا سامنا ہوگا، تمہیں بھی ان تمام آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اگر نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو آج کے مسلمان مولوی اور عالم کو بھی بارود اور میزائل کی آگ میں ڈالا جارہا ہے، آج ان پر آگ برسائی جارہی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے اندر وہ تمام صفات پیدا کرنا ہوں گی جو ان تمام انبیاء میں تھیں۔ اللہ ہمیں اس منصب کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حرف آخر: یہ میں نے کچھ تلخ باتیں بھی آپ سے کہہ دیں اور پورے احترام کے ساتھ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مقصد صرف یہ تھا کہ ہم ذرا مل کر اپنی ذمہ داریوں کو بھی سوچا کریں اور اس طرح کے اجتماع روز روز نہیں ہوا کرتے۔ عوامی اجتماعات میں تو جانے کا موقع ملتا ہی رہتا ہے لیکن اگر اہل علم کا اجتماع ہو، اہل مدارس اور امت کے قائدین کا اجتماع ہو تو یہ کبھی کبھار ملتا ہے۔ میں گجرات کے علمائے اکرام خصوصاً جمعیت علمائے اہل سنت والجماعت ضلع گجرات کے رہنماؤں مولانا محمد عمر عثمانی صاحب، مولانا وسیم عباس صاحب، مولانا صہیب صاحب اور مولانا جواد احمد فاروقی صاحب اور ان کے دیگر جتنے رفقائے کار ہیں، ان سب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع مرحمت فرمایا اور آپ حضرات کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک طالب علم کی باتیں بڑے غور سے سنیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے اکابر پر پورا اعتماد رکھتے ہوئے ہمیں ان کا صحیح معنوں میں نمائندہ بنائے اور ہمیں زندگی کے آخری سانس تک دین کی خدمت سے وابستہ رکھے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

☆.....☆.....☆